ممکن تھا کہ وہ فوج اِن لوگوں کے دل نہ جیت لیتی جو علاقوں پر علاقے فتح کرتی ہے مگر کہیں کسی کی عزت و آبرو پہ ہاتھ نہیں ڈالتی۔

ان سنئے فاتحوں نے اخلاق کا یہ نرالا کرشمہ بھی دکھایا کہ اگر دشمن کے دباؤ سے کبھی کوئی جیتا ہوا علاقہ انہیں چھوڑنا پڑ گیا تو نظم و نسق کے لیے عوام سے جو ٹیکس انہوں نے وصول کیے تھے وہ سب یہ کہہ کر انہیں واپس کر دیئے کہ یہ ٹیکس ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے وصول کیے تھے۔ اب چونکہ ہم اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتے اس لیے تمہارا روپیہ واپس کرتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک جن حکمرانوں سے واقف تھے ان کا حال یہ تھا کہ اگر کبھی انہیں کوئی علاقہ چھوڑنا پڑ جاتا تھا تو لیا ہوا روپیہ واپس کرنا تو درکنار، جو کچھ لوگوں کے پاس ہوتا تھا وہ بھی لوٹ کر چلتے بنتے تھے یہ اولیاء اور انبیاء کا سا اخلاق کسی حاکم گروہ میں دیکھنے کی کسی کو توقع نہ تھی کہ وہ سیاست و ملک داری میں اس امانت و دیانت سے کام لے گا۔

یہ تھی وہ اصل طاقت جس سے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو مسخر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تلواروں نے جتنا کام کیا اس سے کہیں زیادہ کام ان کے اخلاق اور کردار نے کیا۔ چونکہ ایک ایک آدمی پورے شعور کے ساتھ اسلام کو سمجھ کر ایمان لایا تھا اور سمجھنے کے بعد پھر اس کے مطابق اس نے اپنی سیرت بنا لی تھی، اس لیے جس حیثیت میں بھی انہوں نے کام کیا اس میں اسلام کی صحیح نمائندگی کی، اور اسی وجہ سے دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ ان کی تلوار کی کاٹ سے پہلے ان کے اخلاق کی کاٹ لوگوں کے دلوں کے اندر اتر چکی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جو علاقے انہوں نے فتح کیے وہاں کی آبادی اُن کی سیاسی غلام نہیں بنی بلکہ ان کی مرید اور معتقد بن گئی۔ اس نے ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ اُن کی تہذیب قبول کر لی۔ حتیٰ کہ ان کی زبان بھی اختیار کر لی۔ آج وہ مفتوح آبادی اپنے ان فاتحوں کو اپنا ہیرو اور اپنا مقتدا مانتی ہے، اور اپنی ہی قوم کے کافر اسلاف کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے کے لیے راضی نہیں ہے۔ کیا دنیا میں کبھی کسی اور فاتح نے یہ کرشمہ دکھایا ہے؟

۵ ارب سال پہلے بھی وہی حقیقت تھی اور ۵ ارب سال بعد بھی وہی حقیقت رہے گی۔ ۵ ارب سال پہلے بھی یہ حقیقت تھی کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا تھا اور ۵ ارب سال بعد بھی یہی حقیقت ہوگی کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا رہے گا۔ یہ حقیقت بھی ازلی اور ابدی ہے کہ مخلوق کا کام خالق کی بندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی مخلوق پائی جائے گی لامحالہ خالق کی بندگی ہی کرنا اس کا کام ہوگا۔ اس لحاظ سے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کے بارے میں آج اور کل اور ماضی و حال اور مستقبل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب اگر اس عنوان کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں تو وہ دو ہی ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل آج کیا ہے؟ مسلمان اس زمانہ میں اسلام کے متعلق کیا رویہ رکھتے ہیں؟ اور ان کی زندگی میں اسلام کے کیا اثرات ہیں اور کیا نہیں ہیں؟ دوسرے معنی یہ کہ اسلام کو آج کی دنیا قبول کر سکتی ہے یا نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے تو کیسے کر سکتی ہے؟ اور کوئی شخص اگر بہت زیادہ آگے بڑھ کر اس کے کچھ اور معنی لے سکتا ہے تو یہ بھی لے سکتا ہے کہ اسلام آج قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

یہی دو سوال اس عنوان کے مفہوم میں آتے ہیں اور میں ان دونوں سوالات پر ترتیب وار آپ کے سامنے اپنے خیالات عرض کروں گا۔

جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا آج کیا طرزِ عمل ہے اور مسلمانوں کی زندگی میں اسلام کا کیا اثر پایا جاتا ہے اور کیا نہیں پایا جاتا، اور مسلمان اس کے بارے میں آج کیا رویہ رکھتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ آپ "اسلام اس زمانے میں" سے پہلے "اسلام پچھلے زمانے میں" پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔ اس لیے کہ ہم آج جو کچھ بھی ہیں، وہ گذشتہ کل کے نتیجے میں ہیں اور جو کچھ آئندہ ہونے والے ہیں وہ آج جو کچھ حالت ہے اس کے نتیجے میں ہوں گے۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں مسلمانوں کا آج جو رویہ ہے اسے سمجھنے سے پہلے کل جو رویہ تھا اس کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہم معلوم کریں کہ ہمارا

آج کا رویہ کن تاریخی اسباب کی بنا پر ہے اور اسی سے پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ مستقبل میں یہ رویہ کیا صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم ایک تاریخی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمان اپنی تاریخ کے دوران میں تین بڑے مرحلوں سے گزرتے ہوئے آرہے ہیں اور اس وقت ہم ایک چوتھے مرحلے میں ہیں۔

پہلا مرحلہ

ہماری تاریخ کا سب سے پہلا مرحلہ وہ تھا جب اسلام کا آغاز ہوا۔ ایک شخص واحد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لیے مامور کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی توحید اور آخرت کے عقیدے اور رسالت کے اتباع کی بنیادوں پر انسانی زندگی کی تعمیر کے لیے کوشش کرے۔ اس ایک بندہ حق نے ۱۳ برس تک مکۂ معظمہ میں اس دعوت کو خلقِ خدا کے سامنے پیش کیا، اور محض زبان ہی سے پیش نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کے ایک ایک عمل سے، اپنی حرکات و سکنات سے، اپنے رویہ سے، اپنے برتاؤ سے، غرض اپنی ایک ایک چیز سے اُس شخصیت کبریٰ نے اس بات کا مظاہرہ کیا کہ اسلام کس قسم کا انسان بنانا چاہتا ہے، کس قسم کے اخلاق بنانا چاہتا ہے، کس سیرت کا طالب ہے، کیا رویہ اس دنیا کی زندگی میں ایک ایسے شخص کا ہونا چاہیے جو اسلام کو ماننے اور قبول کرے۔ جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اس کا مجسم نمونہ آپ خود تھے۔

اس دعوت کو سن کر اور اس نمونے کو دیکھ کر خلقِ خدا میں سے وہ لوگ آپ کے ساتھ شامل ہوتے چلے گئے جنہوں نے پوری ایمانداری اور پورے اخلاص، اور پورے فہم اور پورے شعور کے ساتھ اس چیز کو اچھی طرح جان کر قبول کیا۔ نا سمجھی کے ساتھ کوئی ایک آدمی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں آیا۔ اور جب کوئی شخص خوب سوچ سمجھ کر آیا تو پھر اس نے اپنی زندگی کو ٹھیک ٹھیک اس سانچے کے مطابق ڈھال لیا جس سانچے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ دعوت چاہتی تھی کہ وہ ڈھلے۔ ۱۳ برس کی مدت میں مکۂ معظمہ میں جو لوگ اسلام لائے تھے

ان میں سے ایک ایک آدمی کی زندگی میں عملاً وہ انقلاب رونما ہوا تھا جو اسلام حیاتِ انسانی میں رونما کرنا چاہتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ ان کے اندر عملاً وہ انقلاب برپا ہوا تھا بلکہ اس انقلاب کے راستہ میں جتنی داخلی اور خارجی طاقتیں مزاحم تھیں ان سب کے ساتھ انہوں نے مجاہدہ کیا، کشمکش کی، بڑی سے بڑی قربانیاں جو انسان کسی مقصد کے لیے دے سکتا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے دیں، بڑے سے بڑے نقصانات برداشت کئے، اس لئے کہ ان کے نزدیک دُنیا کی سب سے بڑی قدر وہ تھی جو اسلام کے ذریعہ سے انہیں ملی تھی۔ اُس کو وہ دُنیا کی کسی اور چیز پر قربان کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور ہر چیز کو اس کے اوپر قربان کر دینے کے لیے تیار تھے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے اندر پوری طاقت کے ساتھ یہ جذبہ اُبھر آیا تھا کہ جس نظریۂ حیات پر وہ ایمان رکھتے ہیں اسے دُنیا میں غالب کر کے چھوڑیں گے، اور وہ جان کی بازی لگا کر بھی اس امکان کو ختم کر دینے پر تُل گئے تھے کہ کوئی باطل نظریۂ حیات اُن پر غالب ہو۔

اس طرح ۱۳ برس کی مختصر مدت میں مٹھی بھر جان نثاروں کا جو گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اسے لے کر آپ مدینہ طیبہ منتقل ہو گئے اور وہاں ایک بہت چھوٹی سی ریاست قائم کر دی جس کا رقبہ شاید آج کے ایک معمولی قصبے کے رقبہ سے زیادہ نہ تھا جس کی آبادی بمشکل اُس وقت چھ سات ہزار ہوگی۔ اتنے چھوٹے علاقہ میں ایک ریاست قائم ہوتی ہے اور وہ پورے عرب کو چیلنج کر دیتی ہے۔ ایک طرف پورا عرب ہے اور ایک طرف وہ چھوٹی سی ریاست۔ اس ریاست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی جاہلیت کے علی الرغم بالکل ایک نیا معاشرہ بنانا شروع کر دیا اور چند سال کے اندر وہ نمونہ تیار کر کے سارے عرب کے سامنے رکھ دیا جسے دیکھ کر ہر شخص علانیہ یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اسلام انسانی تہذیب و تمدن کو کیا شکل دینا چاہتا ہے اور اس میں زندگی کی کیسی روح جاری و ساری کرنا اس کے پیش نظر ہے۔ اسلام جس عدل کی دعوت دیتا ہے اس معاشرے اور ریاست میں وہ عملاً قائم کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اسلام جیسا پاکیزہ معاشرہ بنانا چاہتا ہے وہاں وہ بالفعل پیدا کر کے دکھا دیا گیا۔ اسلام معاشی زندگی میں جو اصلاح کرنا چاہتا

ہے وہاں اس کو نافذ کر کے دکھا دیا گیا۔ غرض ہر وہ چیز جس کے لیے اسلام دعوت دیتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہاں عملاً قائم کر کے دکھایا تاکہ لوگ محض کانوں ہی سے نہ سنیں بلکہ آنکھوں سے دیکھ لیں کہ کیا ہے اسلام اور کیا ہیں اس کی برکات اور کس طرح اسے عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

اب یہ انسانی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ بلکہ معجزہ ہے کہ ۸ برس کی مختصر سی مدت میں ایک قصبے کی چھوٹی سی ریاست، جو چند مربع میل اور چند ہزار انسانوں پر مشتمل تھی، پورے عرب پر چھا گئی۔ صرف آٹھ برس کے اندر دس بارہ لاکھ مربع میل کا پورا ملک مسخر ہو گیا، اور مسخر بھی اس طرح ہوا کہ لوگ محض ایک سیاسی نظام ہی کے تابع نہیں ہو گئے بلکہ ان کے نظریات تبدیل ہو گئے۔ ان کی قدریں بدل گئیں، ان کے اخلاق بدل گئے، ان کے معاشرتی طور طریقوں میں عظیم الشان اصولی تغیر رونما ہو گیا۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی روح اور شکل دونوں میں ایک ایسی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی جس نے عرب ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ کا رخ بدل ڈالا۔ ان کے افراد نے فرداً فرداً اور ان کی قوم نے بحیثیت مجموعی سوچنے کا ایک نیا انداز، برتاؤ کا ایک نیا طریقہ، اور زندگی کا ایک نیا مقصد اختیار کر لیا جس سے وہ اپنی صدہا برس کی تاریخ میں کبھی آشنا نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ صدیوں کی طوائف الملوکی ختم کر کے اس ملک کو ایک سیاسی نظام کے تحت لے آنا بھی کوئی چھوٹا کارنامہ نہ تھا۔ مگر اس سے ہزاروں درجہ زیادہ بڑا کارنامہ یہ فکری و اخلاقی اور تہذیبی و تمدنی انقلاب تھا افسوس ہے کہ تاریخ نگاری کے ایک غلط طریقے نے اس عظیم تغیر کو محض غزوات کے نتیجے کی حیثیت سے پیش کر دیا، اور فرنگی مستشرقین نے اس پر خوب ڈھول پیٹا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمام لڑائیاں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئیں۔ ان میں مجموعی طور پر دونوں طرف کے بمشکل ۱۴ سو آدمی مارے گئے تھے۔ کسی کے پاس عقل ہو تو وہ خود غور کرے کہ اتنی کم خونریزی کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب کہیں تلوار کے بل پر بھی ہو سکتا ہے؟

دراصل اس تغیر عظیم کی وجہ کچھ اور تھی۔ جب تک مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دیتے رہے، بہت کم لوگ اسے اور اس کے مضمرات کو سمجھ سکے۔ اس وقت تک

وہی لوگ اسے سمجھے جو بہت زیادہ اعلیٰ درجہ کا فہم و شعور رکھتے تھے، بڑا صاف اور بے کدورت ذہن رکھتے تھے اور اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ جاہلیت کے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ایک حق بات کو محض حق ہونے کی بنا پر سمجھ بھی لیں، مان بھی لیں، عملاً اس کی پیروی بھی اختیار کر لیں اور پھر سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی علمبرداری کے لیے بھی اٹھ کھڑے ہوں۔ مگر جب ان صفات کی ایک مختصر سی جماعت تیار ہو گئی اور اس کو لے کر حضورؐ نے مدینے میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کر دیا، اور ایک آزاد اسلامی ریاست کی زمام اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ نے اسلام کی پوری اصلاحی اسکیم کو اس معاشرے میں روبعمل لانا شروع کر دیا تو حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ اب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہاں کیسا امن ہے۔ کیسی نیکی اور خدا ترسی ہے۔ کیسی راست بازی اور ایمان داری ہے۔ یہاں کیسی عدالت ہوتی ہے۔ یہاں کس طرح اونچ نیچ برابر کی گئی ہے۔ یہاں کیسے اخوت اور مساوات قائم کی گئی ہے۔ یہاں کس طرح معاشی زندگی کی مشکلات اور الجھنوں اور خرابیوں کو رفع کیا گیا ہے۔ یہاں کتنا پاکیزہ اور کتنا ستھرا اور کس قدر اعلیٰ درجہ کا معاشرہ تیار کیا گیا ہے جو تمام اخلاقی گندگیوں سے پاک ہے۔ اب آنکھیں رکھنے والے انسانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اس روشنی کا انکار کر دیں جسے وہ علانیہ اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے حالات کو بھی دیکھ چکے تھے جب انسانوں کو انسان کھائے جاتا تھا۔ جب قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور لوگ شراب، زنا، جوئے، چوری، ڈاکے اور ہر طرح کے اخلاقی فساد میں غرق تھے۔ اور اب اِس امن، اِس انصاف اِس نیکی اور شرافت اور اس اخلاقی طہارت کو بھی اُن کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں جس کے نور سے مدینے کی اسلامی ریاست کا سارا ماحول جگمگا رہا تھا۔ اس کے بعد بہت ہی کم لوگ ایسے رہ گئے جن کی آنکھیں پھوٹی ہوئی تھیں اور جنہیں جاہلیت کی تاریکی ہی پسند تھی۔ اُن کو چھوڑ کر وہ سب لوگ اس صداقت کے قائل ہوتے چلے گئے جو اس کو ۔۔۔ دیکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کٹ کٹ کر مر چکے تھے۔ خالد ابن ولید قائل ہوئے۔ عکرمہ بن ابی جہل قائل ہوئے، عمرو بن عاص قائل ہوئے حتیٰ کہ ابو سفیان اور ہند جگر خوار تک نے مان لیا کہ جس دعوت کے ثمرات و نتائج یہ کچھ ہیں وہی حق

ہے۔ اس لیے کہ اب انہوں نے چلتے پھرتے حق کو دیکھ لیا تھا۔ اب اسلام محض ایک تخیل نہ تھا جو محض ایک دعوت کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو، بلکہ وہ اُسے زمین پر کام کرتے ہوئے اور انسانی زندگی میں اپنے عملی نتائج کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا میں ایک پُوری قوم ایسی تیار کر دی جس کی اجتماعی زندگی میں پورا کا پورا اسلام نافذ تھا، جس کے عقائد اور افکار و نظریات اسلامی تھے، جس کا مذہب خُدائے واحد کے سوا کسی دوسرے کی بندگی اور پرستش سے آلودہ نہ تھا، جس کی انفرادی سیرتیں اور اجتماعی اخلاق جاہلیت سے پاک ہو کر اسلام کے سانچے میں ڈھل چکے تھے، جس کا تمدن اسلامی تہذیب و تمدن کا نمونہ تھا اور جس کی ریاست کا پورا نظام اسلام کے قوانین پر چل رہا تھا۔ یہ پوری قوم اسلام کے لیے جینے اور اسلام کے لیے مرنے پر تیار ہو گئی۔ دُنیا میں خُدا کا کلمہ بلند کرنے کو اس نے اپنا قومی نصب العین بنا لیا اور اس کی ریاست کا مقصدِ وجود ہی یہ قرار پا گیا کہ جہاں اسے اقتدار حاصل ہے وہاں اسلام کے اصولوں پر زندگی کا نظام چلائے، اور جہاں اسے اقتدار حاصل نہیں ہے وہاں اسلام کی دعوت پھیلائے۔ اس طرح دُنیا میں ایک پوری قوم ایسی تیار ہو گئی جو خود اسلام پر عامل تھی اور روئے زمین پر اسلام پھیلانا اُس کا قومی مشن تھا۔ ایک مکمل ریاست ایسی وجود میں آ گئی جو ایک طرف اپنے داخلی نظام میں اسلام کے اصولوں کا پورا عملی مظاہرہ کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ ساری دُنیا میں اسلام کی علمبردار تھی۔

ایسی ایک قوم اور ایسی ایک ریاست بن جانے کے بعد جس طرح خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام پھیلا ہے اس کے لیے تاریخ میں "انفجار" (EXPLOSION) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی جیسے کوئی بم پھٹتا ہے اس طرح اسلام دُنیا میں پھیلنا شروع ہو گیا اور چند سال کے اندر دیکھتے دیکھتے وہ افغانستان اور ترکستان سے لے کر شمالی افریقہ تک ایک سیلاب کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ یہ حیرت انگیز انفجار آخر کس چیز کا نتیجہ تھا؟ آج بھی آپ جا کر دیکھ لیجیے کہ عرب کیسے لوگ کتنے کچھ تنومند ہیں۔ یہ بھی دیکھیے کہ عرب کی سرزمین میں کتنے کچھ ذرائع و وسائل ہیں — تیل کا ذکر نہ کیجیے

وہ تو اب برآمد ہُوا ہے ، اسے چھوڑ کر دیکھیے کہ وہاں کیا دھرا ہے ——— یہ بھی دیکھیے کہ عربوں کی تعداد کتنی ہے۔ شاید اس وقت جزیرۃ العرب کی آبادی ایک کروڑ سے بھی کم ہے اور خلافت راشدہ کے زمانے میں یقیناً اس سے بہت کم ہو گی۔ ایسی ایک قوم کا اتنے بڑے رقبۂ زمین پر یوں اچانک حاوی ہو جانا اور بڑی بڑی سلطنتوں کے مقابلے میں ان کا اس طرح کامیاب ہو جانا درحقیقت مادی طاقت میں برتری کا نتیجہ نہ تھا۔ اصل چیز جس نے دُنیا کو مسخر کیا وہ پوری مسلمان قوم کا اور اس کے ایک ایک مسلم فرد کا وہ رویہ تھا جو صلح اور جنگ اور مفتوح علاقوں کے نظم و نسق اور مفتوح آبادیوں کے ساتھ برتاؤ میں ظاہر ہوتا تھا۔

ایران اور روم کی سلطنتوں کے ماتحت جو لوگ رہتے تھے انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا معنی کبھی اپنے تصور میں بھی وہ گورنر نہ دیکھے تھے جو سڑکوں پر پیدل چلیں ، عام آبادیوں میں عام انسانوں کی طرح رہیں ، ہر وقت اپنے دروازے اُن لوگوں کے لیے کھلے رکھیں جنہیں کسی مدد کی ضرورت ہو ، اور جس آدمی کو بھی کوئی تکلیف پہنچے وہ ان کا دامن پکڑ کر کہہ سکے کہ مجھے یہ شکایت ہے اس کو رفع کیجیے۔ انہوں نے کبھی خواب میں بھی ایسے گورنر نہ دیکھے تھے اور نہ وہ سوچ سکتے تھے کہ دنیا میں ایسے بھی گورنر ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب اس مسلم معاشرے نے ان ممالک میں داخل ہو کر ایسے گورنر لوگوں کو آنکھوں سے دکھا دیئے تو آخر کتنے لوگ ایسے ہو سکتے تھے جو اندھے تعصب میں مبتلا ہو کر اس اخلاقی برتری کو تسلیم نہ کرتے ؟

ان کی فوجوں نے دُنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کیا کہ ایک مفتوح شہر میں وہ داخل ہوتی ہیں ، دونوں طرف بالاخانوں پر بنی ٹھنی عورتیں ان کے گزرنے کا تماشا دیکھنے کے لیے کھڑی ہیں ، مگر ایک سپاہی بھی آنکھ اُٹھا کر کسی بالاخانے کی طرف نہیں دیکھتا ، پوری فوج گزر جاتی ہے اور اس کو پتہ نہیں چلتا کہ اوپر عورتیں کھڑی ہیں۔ یہ مفتوح لوگ صدیوں سے جو کچھ دیکھتے چلے آرہے تھے اور ان کے باپ دادا نے جو قصے ان کو سنائے تھے وہ تو یہ تھے کہ جب کوئی فاتح فوج کسی بستی میں داخل ہوتی ہے تو اس کی ایک عورت کا دامن عصمت بھی تار تار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اب یہ کیسے

ممکن تھا کہ وہ فوج اِن لوگوں کے دل نہ جیت لیتی جو علاقوں پر علاقے فتح کرتی ہے مگر کہیں کسی کی عزت وآبرو پہ ہاتھ نہیں ڈالتی۔

ان سنتے فاتحوں نے اخلاق کا یہ نرالا کرشمہ بھی دکھایا کہ اگر دشمن کے دباؤ سے کبھی کوئی جیتا ہوا علاقہ انہیں چھوڑنا پڑ گیا تو نظم ونسق کے لیے عوام سے جو ٹیکس انہوں نے وصول کیے تھے وہ سب یہ کہہ کر انہیں واپس کر دیے کہ یہ ٹیکس ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے وصول کیے تھے۔ اب چونکہ ہم اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتے اس لیے تمہارا روپیہ واپس کرتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک جن حکمرانوں سے واقف تھے ان کا حال یہ تھا کہ اگر کبھی انہیں کوئی علاقہ چھوڑنا پڑ جاتا تھا تو لیا ہوا روپیہ واپس کرنا تو درکنار، جو کچھ لوگوں کے پاس ہوتا تھا وہ بھی لوٹ کر چلتے بنتے تھے یہ اولیاء اور انبیاء کا سا اخلاق کسی حاکم گروہ میں دیکھنے کی کسی کو توقع نہ تھی کہ وہ سیاست و ملک داری میں اس امانت و دیانت سے کام لے گا۔

یہ تھی وہ اصل طاقت جس سے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو مسخر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تلواروں نے جتنا کام کیا اس سے کہیں زیادہ کام ان کے اخلاق اور کردار نے کیا۔ چونکہ ایک ایک آدمی پورے شعور کے ساتھ اسلام کو سمجھ کر ایمان لایا تھا اور سمجھنے کے بعد پھر اس کے مطابق اس نے اپنی سیرت بنا لی تھی، اس لیے جس حیثیت میں بھی انہوں نے کام کیا اس میں اسلام کی صحیح نمائندگی کی، اور اسی وجہ سے دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ ان کی تلوار کی کاٹ سے پہلے ان کے اخلاق کی کاٹ لوگوں کے دلوں کے اندر اتر چکی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جو علاقے انہوں نے فتح کیے وہاں کی آبادی اُن کی سیاسی غلام نہیں بنی بلکہ ان کی مرید اور معتقد بن گئی۔ اس نے ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ اُن کی تہذیب قبول کر لی۔ حتیٰ کہ ان کی زبان بھی اختیار کر لی۔ آج وہ مفتوح آبادی اپنے ان فاتحوں کو اپنا ہیرو اور اپنا مقتدا مانتی ہے، اور اپنی ہی قوم کے کافر اسلاف کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے کے لیے راضی نہیں ہے۔ کیا دنیا میں کبھی تلوار بھی یہ کرشمہ دکھا سکتی ہے؟

یہ ہماری تاریخ کا پہلا مرحلہ تھا۔ میرے پیشِ نظر اس وقت اس کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے دراصل جو بات میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مرحلۂ آغاز میں اسلام کو دُنیا کے بڑے حصّے پر جو زبردست غلبہ حاصل ہُوا تھا وہ صرف اس چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک پوری قوم نے بحیثیتِ مجموعی اس کو شعور اور اخلاص کے ساتھ اپنا لیا تھا، اس کے افراد کی سیرتوں میں اور اس کے اجتماعی کردار میں اسلام کا ٹھیک ٹھیک عملی مظاہرہ ہونے لگا تھا، اور ایک ایسی ریاست وجود میں آگئی تھی جو خُدا کا کلمہ بلند کرنے کو اپنا نصب العین قرار دے کر اپنے تمام ذرائع و وسائل اس پر لگا دینے کے لیے تیار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کو ابتداء ہی میں وہ پرزور حرکت (MOMENTNUM) ملی جس کے اثرات ۱۳ سو برس گزر جانے پر بھی آج تک چل رہے ہیں۔ اس گئی گزری حالت میں بھی آپ دیکھ لیں، آج بھی مسلمان قوم پر تاریخ کے اس ابتدائی مرحلے کا ٹھپّہ موجود ہے۔ ایک مسلمان خواہ کتنا ہی بگڑا ہُوا ہو اور کتنے ہی اس کے اخلاق خراب ہو چکے ہوں، مگر جب بھی آپ اس کو ٹٹول کر دیکھیں گے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے سامنے اگر کوئی مطمحِ نظر ہے تو وہی سوسائٹی ہے جو محمد رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی۔ اس مطمحِ نظر کو وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ گویا ایک آفتاب ہے جو ہر وقت اس کے سامنے چمک رہا ہے اور وہ اسے نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ ہر مسلمان آج بھی اسی مثالی دور کو اپنے لیے نمونہ سمجھتا ہے، اسی کا گرویدہ ہے اور اسی کو پھر ایک دفعہ دیکھنے کی تمنا دل میں لیے ہوئے ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک دُنیا میں اسلام برابر پھیلتا چلا گیا ہے اور روئے زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں وہ نہ پہنچا ہو۔ اس کی یہ ساری توسیع اس کے باوجود ہوتی رہی کہ ہمارے اندر عیاش امراء بھی موجود رہے، ہم میں ظالم حکمران بھی موجود رہے، اور ہماری قوم میں بدکردار لوگوں کی بھی کمی نہیں رہی ہے۔ ایک مدت دراز سے ہم کوئی مثالی قوم نہیں ہیں جس کی کشش دنیا کو اپنی طرف کھینچے۔ اس کے باوجود اسلام جو دُنیا میں پھیلتا رہا ہے اور آج بھی پھیل رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے

نمونہ کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ دراصل لوگ یہ سمجھتے ہوئے اس کو قبول کر رہے ہیں کہ اصل اسلام وہ ہے جس کا نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء اور اصحاب نے پیش کیا تھا۔ اسی کو لوگ حق سمجھتے ہیں اور اسی کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر مسلمانوں میں آج تک خیال اور عمل اور سیرت و اخلاق کی جو بھلائی بھی پائی جاتی ہے وہ سب اسی ابتدائی دور کے باقی ماندہ اثرات ہیں جو تیرہ صدیوں کے بعد بھی اپنا کام کیے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری تاریخ کا وہ مرحلہ ایسا نہ تھا کہ اس کا ٹھپّہ بالکل ضائع ہو چکا ہو اور اس کے اثرات ختم ہو چکے ہوں۔ نہیں آج بھی اسلام کے اندر جو حرکت پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری اسی ابتدائی تحریک کے نتیجہ میں پائی جاتی ہے۔

(باقی)